© rasailojaraid.com

مولانا محمد یوسف انور

مولانا حافظ محمد اسماعیل روپڑی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حافظ محمد اسماعیل روپڑی کو اس جہانِ فانی سے رحلت کیے ہوئے نصف صدی ہونے کو ہے مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ

ابھی اس راہ سے گیا ہے کوئی ۔۔۔ کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی!

مرکزی جامع مسجد اہلحدیث امین پور بازار، جامع مبارک اہلحدیث منٹگمری بازار میں ان کے خطباتِ جمعہ اور چوک گھنٹہ گھر و دھوبی گھاٹ کے میدان میں ان کی تقریریں اور برسوں پر پھیلی ہوئی کتنی ہی بھولی بسری غیر مربوط یادیں میری آنکھوں میں گردش کر رہی ہیں۔ کشادہ پیشانی، درمیانہ قدو قامت، وجیہ و بارعب اور خوش طبع و متواضع جاذبِ نظر شخصیت کے وہ مالک تھے۔ ان کی سحر انگیز خطابت کے بارے میں مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ ان جیسا شیریں بیان خطیب اور حکمت و دانش بھرا مقرر اُن کے بعد دیکھنے میں نہیں آیا جو اوّل تا آخر ایک موضوع پر اظہارِ خیال اور مقتضائے حال کے مطابق سخن آرائی میں کمال رکھتا ہو۔ بقول مولانا حالی!

اہل معنیٰ کو لازم ہے سخن آرائی بھی ۔۔۔ بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشائی بھی

حضرت حافظ محمد اسماعیل روپڑی صاحب کا دور بلند مرتبت اور علم و عمل کے اونچے درجے کے خطیبوں اور مقررین کا دور تھا، لیکن گفتار و کردار کے اس گروہِ باصفا میں حضرت حافظ صاحب کی مسحور کن خطابت ایک امتیازی شان رکھتی تھی۔ صاف ستھرے دھوتی کُرتے اور کلاہ پر مسدی پگڑی کے ساتھ ان کے سلفی انداز اور دلنواز خطابت کی سماعت کے لیے ہر خاص و عام اِک نظر دیکھتا رہ جاتا، بلاشبہ دعوت و تبلیغ دین کا ان کا مؤثر طرزِ تکلم اپنی مثال آپ تھا۔ تقریر کے دوران اپنی مخصوص مترنم آواز میں جب وہ قرآنِ عزیز کی آیات تلاوت کرتے تو ایک سماں بندھ جاتا۔ شیخ سعدی کے فارسی، اقبال و حالی کے اُردو اور حافظ محمد لکھوی کے پنجابی اشعار سے مزین ان کی تقریر کی تاثیر مزید بڑھ جاتی۔ ان سطور کے راقم کو کراچی و حیدر آباد میں اور پشاور و کوئٹہ میں بھی اُنہیں سننے کے مواقع ملے۔ پنجاب کے شہر و قصبات اور دیہاتی ماحول میں بھی اُن کی تقریریں سنیں۔ ان علاقوں کی زبانوں، لہجوں اور کلام و بیان پر حافظ صاحب کو عبور حاصل تھا۔ سلیس اُردو اور ٹھیٹھ پنجابی محاورات میں ان کے مواعظ خوب بہار دکھاتے اور لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح ہوتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دکھائی دیتی۔

یہ کوئی ۱۹۵۲ء کی بات ہو گی کہ حضرت حافظ صاحب نے مسجد مبارک منٹگمری بازار میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ میرے والد صاحب کی ترغیب سے صوفی احمد دین، حاجی بشیر احمد اور کچھ نوجوان جو اس زمانے میں گول بازار میں کریانہ کی دکانیں کرتے تھے اور ہماری دکان بھی وہیں تھی، یہ نوجوان شرک وبدعات کو چھوڑ کر قرآن وسنت کی شافی تعلیمات کی طرف مائل تھے، لیکن ان کے عقائد میں پختگی حضرت حافظ صاحب کی تقاریر اور مشفقانہ مجلسوں میں بیٹھنے سے آئی۔ صوفی صاحب اپنے ایک جگری دوست حاجی نذیر احمد جن کی چوک گھنٹہ گھر منٹگمری بازار کے کونے پر دودھ دہی کی دکان تھی اور بریلوی عقیدہ رکھتے تھے، انہیں حافظ صاحب کا خطبہ جمعہ سنانے کے لیے مسجد مبارک میں لے آئے۔ جمعہ کا خطاب سننے کے بعد حاجی نذیر احمد کا ذہن اور مسلک تبدیل ہو چکا تھا۔ انہوں نے چوک گھنٹہ گھر میں اپنی دکان کے آگے جلسہ کا پروگرام بنایا جہاں اس سے قبل ہر ماہ مولوی سردار احمد کی تقریر ہوتی اور محافل میلاد منعقد ہوتی تھیں۔ چنانچہ چوک گھنٹہ گھر میں حضرت حافظ صاحب کی تقریر ہوئی، مسلکِ اہلحدیث کی صداقت، اسلام کی اساس وبنیاد اور قرآن وسنت کی اہمیت پر حافظ صاحب کے روح پرور خطاب نے لائل پور کی کایا پلٹ دی۔

ریل بازار سے لے کر بھوانہ بازار تک سامعین کی بھاری تعداد تھی جو ہمہ تن گوش تھی، حافظ صاحب کی تقریر کے دوران دوسرے عقائد کے بہت سے طلبہ اور مجمع میں موجود علما نے رقعوں کی صورت میں مسائل پوچھے اور بڑے تیکھے سوالات کئے جن کے جوابات حضرت حافظ صاحب نے نہایت پیار اور دعوتی حکمت وموعظت کے ساتھ دیئے جن سے عوام الناس عش عش کر اُٹھے اور کئی بار تقریر کے دوران نعرہ تکبیر سے پنڈال گونجتا رہا۔

حضرت حافظ صاحب کے بعد مقرر نوخیز حضرت مولانا سید عبد الغنی شاہ آف کامونکی جو پہلی مرتبہ فیصل آباد آئے تھے، ان کی ڈھائی تین گھنٹہ تک توحید باری تعالیٰ کے زیر عنوان تقریر ہوئی جو حضرت حافظ کے مؤثر خطاب کے بعد سونے پر سہاگہ ثابت ہو رہی تھی۔ اس جلسہ کے انتظامات اور اس کے فاضل مقررین کے خطابات کے اثرات تھے کہ قرآن وحدیث کی شافی تبلیغ کے لیے فضا ہموار ہو گئی۔ وہ امن کا دور تھا، جلسوں کی منظوری یا لاؤڈ سپیکر کی اجازت وغیرہ کے مسائل ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ ماہ دو ماہ بعد اسی جگہ جو شہر کا مرکز تھی، بہت سی تبلیغی پروگرام منعقد ہوتے رہے جن میں حافظ محمد اسماعیل صاحب کی شرکت لازمی ہوتی۔ کبھی ان کے ساتھ مولانا سید عبد الغنی شاہ، کبھی حافظ محمد اسماعیل ذبیح یہاں تک کہ مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا عبد المجید سوہدری بھی خطاب فرماتے رہے۔ یہ ان دنوں کی باتیں ہیں جبکہ ابھی شبان اہلحدیث بھی وجود میں نہیں آئی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۵۴ء کے اواخر میں جب مولانا محمد صدیق تاندلیانوالہ سے لائل پور منتقل ہوئے تو ۱۹۵۵ء میں جمعیۃ شبان اہلحدیث کی تشکیل حافظ محمد اسماعیل روپڑی ہی کے ایما پر عمل میں آئی۔ 'شبان اہلحدیث' نام بھی اُنہوں نے ہی تجویز فرمایا تھا۔ چند سالوں بعد ہمارے دوست مولانا محمد طیب معاذ جامع اہلحدیث محمد پورہ میں آگئے۔ انہی دنوں چیچہ وطنی کے ایک غالی قسم کے بریلوی نوجوان شیخ بشیر احمد لائل پور جب آئے تو میرے والد مرحوم کی تبلیغ و ترغیب سے وہ اہلحدیث ہوئے، ان کا نکاح بھی والد صاحب نے اچھے شیخ خاندان میں کرایا اور کاروباری حلقہ میں ان کا تعارف کرایا۔ ان دونوں حضرات کی شبان اہلحدیث میں شمولیت سے تنظیم میں ایک ولولہ تازہ پیدا ہو گیا۔ اسلام نگر کے ماسٹر فتح محمد ہمارے سالار تھے۔ اس طرح نوجوانوں کا جوش و جذبہ اور مسلک سے وارفتگی جس میں حضرت حافظ محمد اسماعیل روپڑی کی سرپرستی اور تبلیغی طور پر فیصل آباد کو ان کی ترجیح سے کتاب و سنت کی دعوت وارشاد کا سلسلہ بفضل تعالیٰ دن بدن بڑھتا چلا گیا اور شہر و مضافات میں مسلک اہلحدیث کی ایک دھوم مچ گئی۔ اس زمانے میں اکثر تبلیغی اجلاس کے مقررین زیادہ تر حضرت حافظ صاحب اور مولانا محمد صدیق ہوا کرتے تھے۔

۱۹۵۵ء میں مرکزی جمعیت اہلحدیث کی سالانہ کانفرنس دھوبی گھاٹ کے میدان میں بڑی آب و تاب سے منعقد ہوئی تھی جس کی صدارت مولانا سید محمد اسماعیل غزنوی نے فرمائی تھی اور صدرِ استقبالیہ مولانا محمد صدیق تھے۔ اسی موقع پر ایک صبح جامعہ سلفیہ کی بنیاد بھی اکابرین جماعت نے رکھی تھی۔ کانفرنس کے آخری اجلاس میں امیر جمعیت حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی خصوصی دعوت پر حضرت العلام مولانا حافظ محمد عبد اللہ روپڑی، حضرت حافظ محمد اسماعیل روپڑی اور مولانا حافظ عبد القادر روپڑی ﷭ نے شمولیت فرمائی تھی۔

اس عظیم اجتماع میں حافظ محمد اسماعیل نے باوجود اپنی ٹانگ کے درد اور شدید علالت کے خطاب فرمایا، یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے يَـٰٓأَيُّهَا ٱلْإِنسَـٰنُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ ٱلْكَرِيمِ ٱلَّذِى خَلَقَكَ فَسَوَّىٰكَ فَعَدَلَكَ فِىٓ أَىِّ صُورَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ کے تحت تقریر فرمائی تھی۔ بیداری کے کمزور اثرات ان کے جسم و جان پر تھے، پھر بھی یہ تقریر ان کی روایتی شیریں کلامی اور بلند پایہ خطابت کی آئینہ دار تھی۔

حافظ محمد اسماعیل بڑے دلیر اور جرات مند عالم دین تھے، ایک دفعہ گوجرہ میں تھانہ کی نزدیکی مسجد اہلحدیث میں جلسہ تھا۔ جمعہ کا خطبہ شیخ الحدیث مولانا محمد یعقوب نے پڑھایا، بعد میں مولانا علی محمد صمصام نے اپنے عوامی انداز میں شرک و بدعات کی تردید کی۔ اس زمانے میں گوجرہ میں متشدد بریلوی مولوی صوفی غلام حسین ہوا کرتے تھے جنہوں نے تھانہ جاکر مولانا صمصام کے خلاف انسپکٹر کو اکسایا جس نے مولانا کو گرفتار کرکے حوالات میں بند کر دیا۔ حضرت حافظ محمد اسماعیل نے یہاں فیصل آباد امین پور بازار میں جمعہ پڑھایا تھا جس کے بعد وہ ٹرین پر گوجرہ روانہ ہوئے۔ میرے والد،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود میں بھی دیگر چند ایک احباب کے ہمراہ حافظ صاحب کی معیّت میں شام کے وقت جب گوجرہ اسٹیشن پر پہنچے تو اُنہیں مولانا صمصام کے بارے میں بتایا گیا، حافظ صاحب کہنے لگے کہ پہلے ہم تھانہ جائیں گے جہاں آکر حافظ صاحب نے انسپکٹر سے پوچھا کہ آپ نے مولانا کو گرفتار کیوں کیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ اُنہوں نے دل آزار تقریر کی تھی۔ حافظ صاحب نے کہا کہ آپ کا رپورٹر کہاں ہے؟ کون سے الفاظ دل آزار تھے؟ انسپکٹر کہنے لگا کہ فلاں مولوی صاحب نے آکر بتایا تھا کہ ان کی تقریر سے فرقہ واریت اور انتشار کے خدشات ہیں۔ حافظ صاحب جوش میں آگئے اور فرمایا کہ میں ابھی ایس پی سے لائل پور رابطہ کرتا ہوں کہ آپ نے ایسے غیر ذمہ دار لوگ تھانوں میں بٹھا رکھے ہیں جو اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی بجائے لوگوں کے کہنے پر علما کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں۔ انسپکٹر اس قدر مرعوب ہوا کہ اس نے فی الفور مولانا کو حوالات سے نکالا اور معذرت کی۔ رات کو حافظ صاحب نے پہلے مولانا صمصام کی تقریر کرائی، مولانا نے اپنے خاص اندازِ بیان سے سرورِ کائنات ﷺ کی سنتِ مطہرہ کی اہمیت اور شانِ رسالت پر کھل کر ڈیڑھ گھنٹہ تک محظوظ کیا جس کے بعد حضرت حافظ صاحب نے دو گھنٹے تک مسلکِ اہلحدیث کی حقانیت پر خطاب فرمایا اور پولیس کی غلط کاروائی کی مذمت بھی کی جس سے مقامی جماعت کو تقویت ملی اور مستقبل میں افرادی قوت میں اضافہ ہوا۔

اسی دور کی بات ہے کہ حافظ صاحب بلاک نمبر ۱۹ سرگودھا کی مرکزی جامع اہلحدیث میں خطبہ جمعہ کے لیے جایا کرتے تھے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت کے دنوں میں سرگودھا کی دیوبندی حضرات کی جامع مسجد میں روزانہ عشاء کے بعد جلسہ ہوتا تھا جس میں دیگر علما کے علاوہ حافظ صاحب بھی خطاب فرماتے تھے۔ حافظ صاحب کی مدلل اور موثر تقاریر سے تحریک اور کارکنوں کے جذبات دیدنی ہوتے جس پر حافظ صاحب کی گرفتاری کے آرڈر ہوگئے مگر حافظ صاحب کو کارکنان عین تقریر کے موقع پر اسٹیج پر جلوہ افروز کرتے اور تقریر کے بعد فی الفور اُنہیں ایسے غائب کرتے کہ پولیس دیکھتی رہ جاتی۔ روز بروز یہ سلسلہ چلتا رہا، ان کے ضلع سرگودھا میں داخلہ پر پابندی عائد کردی گئی، اس دوران وہ جامع اہلحدیث امین پور بازار میں خطبہ دیتے رہے تاہم چند ہفتے اُنہوں نے قید و بند میں بھی گزارے۔

حضرت حافظ صاحب منکسر المزاج اور تقویٰ شعار خطیب تھے، بلکہ ہم نے دیکھا کہ وہ مستجاب الدعوات اور باکرامت ہستی تھے۔ ایک دفعہ کراچی سے امام جماعت غربا اہل حدیث حضرت حافظ عبدالستار دہلوی کا فیصل آباد آنا ہوا۔ اتفاق سے حافظ صاحب بھی یہاں تھے۔ مولانا صمصام کو ہم نے ستیانہ بنگلہ سے منگوالیا اور رات کو دھوبی گھاٹ کے باغ میں جلسہ کا اعلان کردیا۔ بذریعہ تانگہ لاؤڈ سپیکر پر شہر بھر میں منادی کردی، یہ تخریب کاریاں اور امن و امان کی گتھیاں اور منظوری وغیرہ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشکلات بہت بعد کی باتیں ہیں۔ الغرض رات کا یہ اجتماع حاضرین کی کثرت خصوصاً حافظ صاحب کی مقبولیت کے سبب عظیم الشان جلسہ تھا۔ ابتدا میں مولانا صمصام کی تقریر ہوتی مگر وہ کچھ زیادہ ہی تردید بدعات میں آگے نکل گئے جس سے تھوڑی سی بدمزگی پیدا ہوئی مگر حافظ صاحب نے مائک پر آکر فوری طور پر حالات کو حکمتِ عملی سے اور مولانا کے جملوں کی احسن وضاحت سے کنٹرول کرلیا۔ پولیس نے ہم سے اپیل کی کہ بارہ بجے تک پروگرام رکھیں۔ حکام بالا کی طرف سے بھی ہمیں یہی پیغام دیا گیا۔ چنانچہ حضرت الامام کی تقریر ادھر ختم ہوئی، ادھر بارہ بج گئے۔ سامعین کا اصرار تھا کہ لاؤڈ سپیکر بند کردیا جائے اور حافظ صاحب ضرور تقریر فرمائیں لہٰذا اسی طرح کیا گیا۔ حضرت حافظ صاحب نے بڑے حکیمانہ اور مدبرانہ طرزِ خطابت سے اس رات سامعین کو محظوظ فرمایا جبکہ پنڈال میں دیگر مسالک کے لوگ بھی کافی تعداد میں دیکھے گئے۔ معلوم ہورہا تھا کہ وہ بے حد متاثر ہورہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایہ رحمت کا نظارہ یہ سامنے آیا کہ حضرت حافظ صاحب اپنی شیریں بیانی کے دریا بہا رہے تھے اور ان کی آواز دھوبی گھاٹ کی اردگرد بلڈنگوں سے ٹکرا کر دور بیٹھے سامعین تک پہنچ رہی تھی، کسی جانب سے یہ نہیں کہا گیا کہ ہمیں آواز نہیں آرہی۔ ایسے ہی سمجھا جارہا تھا کہ حافظ صاحب لاؤڈ سپیکر پر ہی خطاب فرمارہے ہیں۔ یہ ان کی کرامت نہیں تو اور کیا ہے؟ آج کے قحط الرجال کے دور میں ایسے صالح، دردمند اور خلوص بھرے خطبا ناپید ہیں۔ میر تقی میر نے کہا تھا:

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ　　　افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

کیا کیا روح پرور اور ایمان افروز واقعات دل و دماغ میں موجزن ہیں۔ یہ انہی دنوں کی بات ہے کہ پتوکی کے قریب ایک چھوٹے اسٹیشن سے اُتر کر چند فرلانگ کی مسافت پر ایک گاؤں میں شیعہ مولوی اسماعیل مناظرے کے لیے للکارے مار رہے تھے۔ وہاں سے کچھ احباب فیصل آباد آئے، کیونکہ یہاں بھی ایک تبلیغی پروگرام میں شرکت کے لیے حافظ محمد اسماعیل، حافظ عبدالقادر، حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری اور شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق سرگودھوی تشریف فرما تھے۔ مگر یہ پروگرام منسوخ کردیا گیا اور یہ حضرات اس گاؤں روانہ ہوگئے، میں بھی اپنے والد کے ہمراہ تھا۔ جب یہ اکابر گاؤں کے نواح میں پہنچے تو مولوی اسماعیل شیعہ مناظر نودوگیارہ ہوگئے، پتا ہی نہ چلا کہ وہ کس طرح چھپتے چھپاتے گاؤں چھوڑ گئے ہیں۔ رات چوک میں خوب جلسہ ہوا۔ ان حضرات کی تقریروں اور مواعظِ حسنہ سے گردوپیش سے کئی دیہات سے آئے ہوئے بھاری تعداد میں لوگ خوب اثر لے گئے۔

صبح ناشتہ کے بعد جب ہم واپسی کے لیے اسی ریلوے اسٹیشن پر آئے تو ۹ بجے کی گاڑی نکل گئی تھی اور اب دو ڈھائی بجے دوسری گاڑی نے آنا تھا۔ بارہ ایک بجے کے قریب سب کو بھوک نے ستایا مگر چھوٹے اسٹیشن پر ہونے کی وجہ سے پلیٹ فارم پر پکوڑے تک نہ تھے۔ ہم ایک بنچ پر بیٹھے ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے، سامنے دو تین کواٹر نظر آرہے تھے جو ریلوے ملازمین کے تھے اور ان کے آگے تین چار بچے کھیل کود رہے تھے۔ حضرت حافظ اسماعیل صاحب نے پیار بھرے اشارے سے اُنہیں بلایا اور فرمایا کہ بھئی آپ کا والد کدھر ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ وہ اسٹیشن ماسٹر ہیں اور کسی کام سے لاہور گئے ہوئے ہیں۔ حافظ صاحب نے کہا کہ اپنی اماں سے جاکر ہمارا ذکر کرو کہ ہم فلاں گاؤں سے رات جلسہ کر کے آئے ہیں، گاڑی چلی گئی، اب کھانے کو کچھ نہیں۔ دوسری گاڑی آنے میں ابھی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے، اگر صبح کی پڑی ہوئی کھانے پینے کی اشیا روٹی سالن وغیرہ ہے تو بھیج دیویں۔ بچوں نے جاکر والدہ سے بتایا۔ وہ کوئی نیک بی بی تھی، اس نے کہا کہ ان علما سے کہیں کہ میں تھوڑی دیر میں تازہ روٹیاں پکادیتی ہوں، انتظار کریں۔ چنانچہ کچھ دیر بعد روٹیاں سالن اچار اور ایک بالٹی لسّی کی آگئی۔

اب حافظ صاحب نے بچوں کو بلاکر فرمایا کہ ہم دعا کرنے لگے ہیں، اپنی ماں سے پوچھ کر آؤ کہ کیا دعا کریں؟ اُنہوں نے آکر بتایا کہ ماں کہتی ہے کہ دعا کریں کہ ہمارے باپ کی یہاں سے تبدیلی ہوجائے، کیونکہ اس جنگل میں ہم اُداس اور پریشان رہتے ہیں۔ حافظ صاحب نے دوبارہ فرمایا کہ پوچھ کر آئیں: کس ریلوے اسٹیشن پر تبدیل ہو جائیں۔ حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری بڑے زندہ دل اور مرنجان مرنج طبیعت رکھتے تھے، کہنے لگے کہ حضرت آپ دعا کرنے لگے ہیں یا ٹرانسفر آرڈر دینے لگے ہیں۔ بہر حال حضرت حافظ صاحب نے ہاتھ اُٹھادیئے اور ہم سب نے بھی حافظ صاحب بارگاہ ربّ العزت میں عرض کررہے تھے کہ یا اللہ ہم تیرے دین کے مسافر اور طالبِ علم ہیں، ہماری سفارش قبول فرماکر ان بچوں کی والدہ کی خواہش کے مطابق قریبی اسٹیشن رینالہ خورد میں ان کے والد کی ٹرانسفر فرمادے۔ حافظ صاحب نے نہایت رقت اور عاجزی سے یہ الفاظ ادا کئے، اتفاق ایسا ہوا کہ چند روز گذرے، اسی گاؤں کے قریبی گاؤں میں تبلیغی پروگرام تھا جس میں شرکت کے لیے اسی اسٹیشن پر اُترے اور اسٹیشن ماسٹر کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ کچھ دن قبل وہ رینالہ خورد میں جاچکے ہیں۔ یہ حضرت حافظ روپڑی کی پُر خلوص دعا اور بچوں کے ساتھ شفقت آمیز رویے کا نتیجہ تھا۔ یہ واقعات ہمارے علمائے کرام کے لیے قابل توجہ ہیں۔

فیصل آباد میں آج کی پیپلز کالونی جو بیسیوں مربع اراضی پر مشتمل ہے، جو واقعہ میں ذکر کرنے لگا ہوں یہ اس دور کی بات ہے، جب یہاں بہت بڑا گراسی میدان اور پارک قسم کے باغات تھے، ابھی کوئی آبادی نہ تھی۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت ختم ہوچکی تھی مگر کامیابی کے لحاظ سے وہ اپنے منطقی نتائج کو نہ پہنچ سکی تھی۔ جگہ جگہ کارکنان جیلوں میں بند تھے اور وہ باہر آنے اور رہا نہ ہونے پر مصر تھے، اس لیے کہ جسٹس منیر انکوائری کررہے تھے۔ مارشل لاء حکام سے تحریک کے قائدین مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دیگر احرار راہنما رابطے میں تھے۔ یہ حضرات چاہتے تھے کہ جن کارکنان کو شہید کیا گیا یا جن پر پولیس نے ناروا مظالم ڈھائے ہیں، اُنہیں قرارِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقعی سزائیں دی جائیں۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے علما اور رضا کاران کا جرم بتایا جائے وغیرہ وغیرہ۔

انہی حالات کے تناظر میں فیصل آباد کی متذکرہ پیپلز کالونی کے بڑے میدان میں ایک روزہ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہو رہی تھی۔ جمعہ کا دن، رات کے اجلاس میں طے پایا کہ صرف شاہ جی، حافظ محمد اسماعیل روپڑی اور مولانا محمد علی جالندھری کی تقریریں ہوں گی۔ مولانا محمد علی جالندھری اسٹیج سیکرٹری بن گئے اور صرف دو تقریروں کا پروگرام رکھا گیا۔ مجھے مولانا عبید اللہ احرار نے مائک پر آواز دی کہ موجود ہوں تو نظم سنائیں۔ چنانچہ میں نے مولانا صمصام کی مشہور نظم

دیکھو مرزائے قادیاں والے کہیاں پایاں بھنڈیاں
کئی قوماں دیاں قوماں کر گیا اے گندیاں

ترنم سے سنائی، اسی نظم پر میں تحریک کے آغاز پر چند دن ڈسٹرکٹ جیل میں بھی گزار چکا ہوں۔ بہر حال میری نظم کے بعد حضرت حافظ محمد اسماعیل روپڑی نے معرکہ آرا اور تاریخی خطاب فرمایا۔ اُنہوں نے سورہ یوسف کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ کے تحت ذکر فرمایا کہ ہمیں مارشل لا حکام جب تک یہ نہ بتائیں گے کہ ہمارے کارکنان کو کس جرم کی پاداش میں سزائیں دی گئی ہیں، اس وقت تک ہم ان کی رہائی قبول نہیں کریں گے۔ سورۂ یوسف حضرت حافظ صاحب کا خاص موضوع ہوا کرتا تھا جس کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے وہ بہت سے نکات اور مسائل کا استنباط فرمایا کرتے تھے اور پھر اُنہیں حالاتِ حاضرہ پر ایسے منطبق فرماتے تھے کہ جیسے آج ہی کے حالات میں ان کا نزول ہوا ہے۔ بلا ریب قرآنِ مجید کا یہ اعجاز ہے کہ اس میں کوئی پرانا پن نہیں، کوئی بھی ہو اور کیسا وقت ہو، پیش آمدہ مسائل کا حل اس میں نظر آئے گا، بقول اقبال!

تو نے دانی کہ آئین تو چیست | زیر گردوں سر تمکین تو کیست
آں کتابِ زندہ قرآن حکیم | حکمت اُولایزال است و قدیم

اگلے سال ۱۹۵۴ء میں مرکزی جمعیت اہلحدیث کی سالانہ کانفرنس ملتان میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی صدارت میں اسی موضوع پر حافظ صاحب کی تقریر دل پزیر پوری کانفرنس کا حاصل تھی۔ اپنے اسلاف اور ان کے کارناموں سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ یہ ایک بین حقیقت ہے اور میرے مشاہدات و تاثرات ہیں جن میں تعریف و تحسین تو ہے لیکن ہر گز کوئی مبالغہ آرائی نہیں کہ حضرت حافظ محمد اسماعیل آسمانِ خطابت کے درخشندہ آفتاب تھے جن کی سادہ و متواضع زندگی کے کئی ایک گوشے ہمارے لیے روشنی کا مینار ہیں، لیکن ان کے حوالے سے اپنی یادداشتوں پر نظر دوڑاتا ہوں تو مجھے بہت سے اہم واقعات یاد آتے ہیں۔ اپنے سے بڑوں کے ساتھ مروّت اور علم و فضل کے حاملین کا احترام حضرت حافظ صاحب کے ہمیشہ پیش نظر رہتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ کچھ عرصہ جامعہ اسلامیہ آبادی حاکم رائے گوجرانوالہ میں خطیب رہے۔ حضرت الاستاذ حافظ محمد گوندلوی بھی قریبی رہائش ہونے کی وجہ سے وہاں ہی جمعہ پڑھتے تھے۔ حافظ محمد اسماعیل ہر جمعہ کو امامت کے لیے حضرت حافظ گوندلوی کو آگے کرتے، اُن کے اصرار کے باوجود کبھی بھی مصلّے پر نہ آتے۔ ایک دفعہ میں نے اور میرے دوست مولوی محمد اسحاق مرحوم (عرف راکٹ) نے اسی مسجد میں جمعہ ادا کیا۔ اس زمانے میں مرکزی جمعیت اہلحدیث اور مرکزی جماعت اہلحدیث کے قابل صد احترام اور عالی قدر راہنماؤں کے درمیان مسئلۂ امارت زیر بحث تھا کہ جماعتی نظام زیر امارت تشکیل پایا جانا چاہیے۔ نجی مجلسوں اور علما کے درمیان علمی گفتگو کی حد تک مسئلہ تھا، منبر و محراب یا اسٹیج پر موضوعِ سخن نہیں بنایا جا رہا تھا۔

حضرت حافظ محمد اسماعیل روپڑی کو خطبہ کے آخر میں کسی نے رقعہ دیا کہ مسئلہ امارت کی آپ ذرا وضاحت فرمائیں۔ حافظ صاحب غصہ میں آگئے اور جواباً فرمایا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آج میں یہ مسئلہ بیان کروں اور اگلے جمعہ کو حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی اپنے خطبہ جمعہ میں اس کا جواب دیں، اس زبان سے اس قسم کی توقع ہرگز نہ رکھیں۔ البتہ جس نے مسئلہ سمجھنا ہو، نماز کے بعد میرے پاس آئے، میں سمجھا دوں گا۔ نہ صرف حافظ صاحب کی یہ بلند اخلاقی بلکہ وہ گوجرانوالہ سے روانہ ہوتے ہوئے راستے میں مولانا محمد اسماعیل صاحب سے ملاقات کرکے اور اُن کی خیریت معلوم کرکے لاہور روانہ ہوتے۔

حضرت حافظ صاحب غالباً دسمبر ۱۹۶۳ء میں اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے تھے۔ وفات سے ہفتہ عشرہ پہلے کی بات ہے کہ وہ بیماری کی شدت کے باعث گنگا رام ہسپتال کی بالائی منزل میں زیر علاج تھے۔ فیصل آباد سے تین چار دوستوں کے ساتھ میں بھی ان کی تیمارداری کے لیے حاضر تھا کہ اتنے میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی تشریف لائے۔ ان کے ہمراہ مولانا محمد اسحاق بھٹی ایڈیٹر 'الاعتصام' بھی تھے۔ مولانا غزنوی ان دنوں عارضۂ قلب میں مبتلا تھے، اُنہیں دیکھتے ہی حافظ محمد اسماعیل نے اپنی کمزور آواز میں عرض کیا کہ آپ اپنی شدید علالت کے باوجود کیوں تشریف لائے؟ آپ نے یہ زحمت کیوں فرمائی؟ کسی سے میری صحت کے متعلق دریافت فرما لیتے۔ حافظ صاحب نے مولانا غزنوی سے مزید عرض کیا کہ

"حضرت آپ قوم کی متاعِ عزیز ہیں۔ جماعت اور ملک و ملت کو آپ کی بہت ضرورت ہے، میرا کیا ہے، میں تو ایک عام مولوی ہوں۔"

یہ الفاظ سن کر مولانا غزنوی کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، پورے ماحول پر ایک غم آلود سناٹا چھا گیا۔ سنتِ نبویؐ کے مطابق آخر دم تک بڑوں کا احترام و تکریم اور چھوٹے پر شفقت و رافت خصوصاً نوجوان علما کی حوصلہ افزائی حضرت حافظ صاحب کا پوری زندگی شعار رہا۔ بہت سے نوجوان علما کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تنہائیوں سے نکال کر میدانِ تبلیغ میں لانا اور اسٹیج کی رونق بنانا ان کا معمول رہا۔ مولانا حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری محقق عالم دین تھے، لیکن تقسیم ہند کے بعد وہ یہ میدان چھوڑے ہوئے تھے اور جھنگ میں انصاری برادری کے ترجمان ہفت روزہ 'صنعتی پاکستان' کی ادارت فرماتے تھے۔ حافظ محمد اسماعیل اُنہیں اسٹیج پر لائے جو آگے چل کر ایک معروف مقرر اور دانشور ہی نہیں بلکہ کامیاب مناظر بنے۔ مولانا محمد حسین شیخوپوری اپنے گاؤں میں زمینداره کرتے اور شعر و سخن سے دلچسپی رکھتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب اُنہیں اسٹیج پر لائے جو خطیبِ پاکستان کے لقب سے شہرت پاگئے اور جن کی تبلیغی سرگرمیاں اور دعوت وارشاد سے ملک اور بیرونِ ملک لوگ مستفید ہوئے۔ مولانا محمد رفیق مدنپوری ہماری جماعت کے نامور مقرر اور نوجوان خطیب تھے جو شروع میں شہر کے ایک دور افتادہ محلّہ مدن پورہ کی مسجد کے غیر معروف عالم دین اور پاور لومز پر کام کرتے تھے۔ انہیں بھی حضرت حافظ صاحب نے اسٹیج کی زینت بنایا اور میدانِ تبلیغ کے شہسوار کے طور پر مشہور ہوئے۔ ان نامی گرامی علماء و مبلغین کے علاوہ بیشتر نوخیز علما اور فارغ التحصیل طلبہ کی حافظ صاحب نے دلجوئی فرمائی اور اُن کا حوصلہ بڑھایا۔ حضرت حافظ صاحب اپنے ہم عمر علما مولانا محمد صدیق، مولانا محمد اسحاق چیمہ، مولانا عبد الرحیم اشرف اور مولانا عبید اللہ احرار سے بے تکلف اور خوش مزاج گفتگو فرماتے جس کی باغ و بہار مجلسوں سے میرے جیسے نوجوان بڑی سوجھ بوجھ اور فکری راہنمائی حاصل کرتے۔

فیصل آباد میں کلیہ دار القرآن والحدیث جناح کالونی کے سالانہ جلسہ پر حضرت حافظ صاحب کی شمولیت حضرۃ الاستاذ مولانا محمد عبد اللہ ویرووالوی ضروری قرار دیتے۔ حافظ صاحب سے رابطہ و وعدہ میری ڈیوٹی ہوتی۔ حضرت حافظ محمد اسماعیل کے انتقال کے بعد حافظ عبد القادر صاحب بھی تاحین حیات شرکت فرماتے رہے۔ سالانہ کانفرنسیں اور جلسے تو اب بھی ہوتے ہیں مگر وہ اسلاف کی دعوت و تبلیغ کا مخلصانہ رنگ نظر نہیں آتا۔ حضرت حافظ صاحب کے دعوتی و تبلیغی سفروں کا دائرہ کار پورے ملک میں پھیلا ہوا تھا۔ کسی بھی کانفرنس یا جلسہ میں ان کے خطاب کو اہمیت حاصل رہتی۔ صوبہ سندھ کے بڑے بڑے شہروں کراچی، حیدر آباد، میرپور خاص ان کے وعظ و تذکیر سے گونجتے رہے۔ ان شہروں میں ان کے ہمراہ حضرت پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی اہم ترین مقرر ہوتے۔ کراچی میں مولانا قاری عبد الخالق رحمانی کی معیت میں ان کے تبلیغی پروگراموں کا سلسلہ ہفتوں جاری رہتا۔

کراچی میں قائداعظم کے مزار کے سامنے اس زمانے میں ایک بڑی کوٹھی قیوم منزل کے نام سے موسوم تھی جس کے مالک حاجی عبد القیوم پشاوری تھے اور ان کی قیوم ٹیکسٹائل ملز بھی کراچی میں تھی۔ حاجی صاحب حضرت حافظ صاحب کے بہت عقیدت مند تھے، وہ رمضان المبارک میں اپنی اسی کوٹھی کے وسیع لان میں نمازِ تراویح کا اہتمام کرتے۔ برس ہا برس حضرت حافظ صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کی امامت فرماتے رہے۔ خطبہ جمعہ اکثر مسجد رحمانیہ رنچھوڑ لائن میں پڑھاتے تھے۔ نمازِ تراویح میں شہر کے اطراف واکناف سے گاڑیوں پر اور پیدل سینکڑوں نمازی ہوتے۔ حضرت حافظ صاحب کی شفقت سے میں نے اور میرے دوست شیخ محمد یونس (راولپنڈی) نے ایک مرتبہ آدھا رمضان المبارک کراچی میں گزارا۔ حضرت حافظ صاحب کو ہم نے دیکھا کہ ہر نماز کے بعد کہیں درسِ قرآن دیتے اور کہیں تفصیلی تقریر فرماتے، سارا دن اسی تبلیغی مصروفیت میں گذرتا۔ ہم نے دن کے اوقات میں کبھی نہ دیکھا کہ انہوں نے رات کو تراویح میں پڑھنے والی منزل کا کسی سے دور کیا ہو یا کم از کم پارہ ہی دیکھا ہو۔ ان کے حافظے کی یہ کیفیت تھی کہ دن بھر کی مصروفیات اور بعض دفعہ دور دراز کسی افطاری میں شرکت کے بعد قیوم منزل پہنچتے اور آتے ہی پورا پارہ نمازِ تراویح میں سناتے۔ ان کی سوز و گداز میں ڈوبی اور مترنم تلاوت سے وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلتا۔ تراویح کے بعد گھنٹہ پون گھنٹہ پڑھی گئی منزل کے خاص خاص مقام اور سورتوں کے شانِ نزول پر خطاب فرماتے۔ بعد ازاں تمام نمازیوں کو حاجی عبدالقیوم کی طرف سے آئس کریم اور شربتِ روح افزا پیش کیے جاتے۔ جس زمانے کی یہ باتیں ہیں وہ موسم جون کا مہینہ اور شدت کا گرم رمضان المبارک تھا، لیکن حافظ صاحب کی پُر رونق یہ مجلسیں موسم بہار کا لطف دیتی نظر آتیں۔

حضرت حافظ صاحب ایک ایسے یگانہ روزگار عالم دین تھے کہ جن کی پُر حکمت اور فصاحت و بلاغت سے بھری خطابت و گفتگو میں ایک چاشنی تھی اور ان کی شخصیت میں ایسی کشش تھی کہ وہ ملنے والے کو اپنی طرف متوجہ بھی کر لیتے تھے اور متاثر بھی۔ ان کی با اخلاق طبیعت اور خطابت کی جولانیاں اب بھی مدتِ مدید گزرنے کے باوجود کانوں میں رس گھول رہی ہیں۔ وہ اپنے دور کے نمونہ اسلاف اور کامیاب مبلغین و مقررین کی صف میں کریمانہ عادات واطوار اور شریفانہ علمی اقدار سے بہرہ ور تھے۔ بقول اقبال کہا جاسکتا ہے:

لطف گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں ہو تخیل کا نہ جب تک فکر کامل ہم نشین

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دینی و ملی عظیم مساعی اور حسنات کو قبول و منظور فرما کر ان پر بخشش و غفران اور اپنی بھرپور رحمتوں کی برسات برسائے اور جنت الفردوس میں انبیاء و اتقیا اور صلحا کے ساتھ حشر فرمائے اور اُن کی آل واولاد کو ان کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین!

نیز آج کے ہمارے خطیبوں اور واعظین کو انہی اسلاف کی طرح خدمت و تبلیغ دین کی توفیق مرحمت فرمائے۔ کیونکہ ہماری پستی اور انحطاط کی بڑی وجہ اسلاف کے طرزِ زندگی سے انحراف اور نفسانی خواہشات کو ہی سلیقہ زندگی بنائے رکھنا ہے۔ بقول اقبال

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

© rasailojaraid.com